جماعت کی طاقت کا راز اس اطاعت میں ہے جو فرشتوں نے دکھائی تھی۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 12 اپریل 1996ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیت کریمہ تلاوت کی:

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ (الجاثیہ:24)

پھر فرمایا:

گزشتہ دو خطبوں سے یہ مضمون چل رہا ہے کہ اگر نفس کے اندھیروں کو نفس سے دور نہ کیا جائے تو روشنی وہاں جگہ نہیں بنا سکتی۔ اس میں بظاہر ایک تضاد بھی ہے۔ روشنی ہی تو ہے جو اندھیروں کو دھکیل کے باہر کرتی ہے مگر قرآن کریم نے جو نقشہ کھینچا ہے وہ ایسا ہے کہ نفس کے اندھیرے اس وقت پیدا ہوتے ہیں جب روشنی کے رستے بند کر دیئے جائیں۔ روشنی کی جو راہیں اللہ نے بنائی ہیں ان سے اگر داخل بھی ہو تو وہ ادراک کی قوت جو آخری صورت میں ہر آنے والے پیغام کو سمجھتی ہے اور اس کا تجزیہ کرتی ہے اس سے ایک آخری شکل نکالتی ہے وہ اس لائق نہ ہو کہ اس پیغام کو سمجھ سکے۔ پس کوئی تضاد نہیں ہے اس بات میں۔ روشنی میں طاقت تو ہے کہ وہ اندھیروں کا ازالہ کرے مگر وہ پردے جو روشنی کی راہ میں حائل کر دیئے جائیں پھر جو اندھیرے پیدا ہوتے ہیں ان کے وجود میں روشنی کا کوئی قصور نہیں۔

پس یہ جو مثال دی اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ کہ وہ شخص جو اپنی نفسانی خواہشات کو اپنا معبود بنالے اس کی مثال ایسی ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ گمراہ قرار دے دے اور باوجود علم

کے گمراہ ہو یعنی روشنی ہو تو سہی مگر ایسی روشنی نہ ہو جس سے وہ فائدہ اٹھا سکے اور یہ کس صورت میں ممکن ہے فرمایا خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ اس کے کانوں پر بھی مہر کر دے یعنی قوت شنوائی پر وَ قَلْبِهٖ اور اس کے دل پر بھی مہر لگا دے۔ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً اور اس کی آنکھوں پر پردہ تان دے۔ یہ اگر صورت پیدا ہو تو روشنی خواہ وہ سمعی روشنی ہو یا بصری روشنی ہو وہ پردوں سے ٹکرا کرنا کام واپس لوٹ جائے گی اور اندھیروں کو روشنی میں تبدیل نہیں کر سکے گی اور یہ جو صورت حال ہے یہ ایک انسان کی اندرونی بیماری سے تعلق رکھتی ہے اور یہ بیماری باہر سے نہیں آتی کیونکہ خدا نے تو کہیں نہیں فرمایا کہ اپنے نفس کو اپنا معبود بنا لو۔ اللہ تعالیٰ نے تو بار بار یہی فرمایا اور اسی طرف توجہ دلائی کہ میں ہی تمہارا ایک معبود ہوں اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس وہ شخص جو جان بوجھ کر سنتے ہوئے بھی نہ سنے، دیکھتے ہوئے بھی نہ دیکھے اور خدا کو چھوڑ کر اپنے نفس کی خواہشات کو معبود بنا لے اس پر اگر یہ پردے اترتے ہیں تو اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی جبر نہیں ہے ہر انسان کا اپنا اختیار ہے۔ اگر خدا کو معبود بنائے گا تو روشنی بغیر تردد کے، بغیر روک کے سارے وجود کو روشن کر دے گی اور اگر نہیں بنائے گا، اپنے نفس کو معبود بنائے گا تو وہ پردے حائل رہیں گے۔

یہ پردے کیا ہیں یہ دراصل نفس کی غلط فہمی کے پردے ہیں اور اس غلط فہمی کو سمجھے بغیر آپ ان پردوں کو اتار نہیں سکتے یا آخری تجزیہ کو اگر پیش نظر رکھیں تو جب تک اپنے نفس کو خدا کے تقاضوں پر ترجیح دیتے رہیں گے یہ پردے آپ کی آنکھوں، آپ کے کانوں، آپ کے دل پر سے اتر نہیں سکتے، ناممکن ہے۔ چنانچہ فرشتوں کی مثال اور شیطان کی مثال نے یہی بات ہم پر کھولی فرشتوں پر کوئی انا کا پردہ نہیں تھا اور شیطان پر انا کا پردہ تھا۔ شیطان نے اپنے آپ کو دوسرے سے بہتر سمجھا اور اپنے نفس کو خدا بنا لیا اپنی ''ھوی'' کو خدا بنایا ہوا تھا فرشتوں اور شیطان میں یہی فرق ہے۔ فرشتوں نے خدا کو خدا بنایا تھا اس لئے جب خدا نے فرمایا کہ اس کو سجدہ کرو تو اس کے سامنے جھک گئے کیونکہ اللہ کا حکم تھا اور معبود خدا تھا۔ پس خدا کے حکم کے تابع اگر کسی کی اطاعت کی جائے تو وہ انسان کی اطاعت نہیں ہے وہ اس وجود کی اطاعت نہیں ہے بلکہ اللہ کی اطاعت ہے۔ وہ بہتر جانتا ہے کس کے سامنے کس کو جھکا دے لیکن اگر ایسا نہ ہو تو ہمیشہ اس کا اپنا نفس ہوتا ہے جس کو وہ خدا سمجھتا ہے۔

اور اس آیت کی تفسیر اور اس کی ساری روئداد آدم کی تخلیق اور فرشتوں اور شیطانوں کے اس

حکم پر ردعمل میں ہمارے سامنے ہے جو قرآن کریم نے محفوظ فرمایا۔ حکم ہوا سجدہ کردو، فرشتوں نے کہا حاضر ہیں ہم سجدہ کرتے ہیں۔ یہ نہیں دیکھا کہ یہ کیا چیز ہے ہمارے مقابل پر اس کی کیا حیثیت ہے لیکن تھا ضرور خیال۔ اگر خیال بھی نہ ہوتا تو یہ نہ کہتے کہ کیا تو اس کو بنائے گا زمین میں اپنا خلیفہ، اس کو بنائے گا جس سے فساد برپا ہوں گے جس سے خون خرابہ ہوگا، زمین خون سے رنگی جائے گی۔ اس لئے یہ غلط بات ہے کہ انہوں نے لاعلمی میں خدا کے حکم کے سامنے سر جھکایا ہے۔ علم تھا اور ایسی بات کا علم تھا کہ جو واقعۃً ہو کے رہنے والی تھی۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ آدم کے وجود کے نتیجے میں جب اس کو اختیار ملے گا۔ نیک و بد میں فیصلہ کرنے کا، چاہے تو نیکی اختیار کرے، چاہے تو بدی اختیار کرے تو اپنی سرشت کے اعتبار سے یہ ایسا ہے کہ خودسری بھی کرے گا مخالفتیں بھی ہوں گی آپس میں ایک دوسرے سے لڑائی جھگڑے اٹھیں گے حسد کارفرما ہوگا۔ جو بھی باتیں ہوں اس وجود نے تو ضرور دنگے فساد کرنے ہیں اور خون خوب بہائے گا فساد برپا کرے گا اور خدا کہہ رہا ہے کہ اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤ۔ مگر فرشتے جانتے تھے کہ ہم خدا کی عبادت کرنے والے ہیں اس لئے خدا جس کے سامنے کہے ہم اسی کے سامنے سجدہ ریز ہیں۔ تو کوئی بے وقوفی کا فیصلہ نہیں تھا لاعلمی کے نتیجے میں، لاعلمی تھی تو عرفان کی کمی کی وجہ سے۔ جو عرفان خدا نے ان کو عطا نہیں فرمایا اس کے فقدان کی وجہ سے ان کے دل میں وسوسے پیدا ہوئے مگر ان وسوسوں کے باوجود اطاعت کی ہے اس میں ہمارے لئے بہت بڑا سبق ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ نفس کے اندھیرے وسوسوں سے پیدا ہوتے ہیں اور وساوس ہی ہیں جو یقین کو شک میں بدل دیتے ہیں۔ پس وہ شخص جو اپنے وسوسوں کا شکار نہ ہو اور اس آخری حقیقت کو ہمیشہ پیش نظر رکھے کہ جسے خدا نے مامور بنایا ہے اس کے سامنے میں سر جھکاؤں گا، جسے خدا نے ایک امارت بخشی ہے ایک حکم بخشا ہے میں نے تو خدا کی عبادت کرنی ہے اس بندے کی تو کوئی حیثیت نہیں۔ اگر میں نے خدا سے روگردانی کی تو میں کہیں کا بھی نہیں رہوں گا اور جتنا کوئی انسان کسی دوسرے انسان کو اپنے سے چھوٹا دیکھے اور پھر بھی سر جھکائے اتنی ہی بڑی اس کی عظمت ہے۔ وہاں جھکنا عظمت کی دلیل ہے وہاں سر اٹھانا ذلت کا نشان ہے۔ اب دیکھو فرشتوں کو کیسا مرتبہ اور مقام حاصل ہوا انہوں نے آدم کو ایک معمولی حقیر چیز دیکھتے ہوئے بھی اس کے سامنے سجدہ ریز ہونے کا فیصلہ کیا کیونکہ خدا کا حکم تھا اور فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے ہر الزام سے پاک رکھا لیکن

شیطان نے کیا کہا اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ۔

تو پہلا پردہ جو انسان کو اندھیروں میں مبتلا کرتا ہے وہ انانیت کا پردہ ہے اور یہی اس آیت کی تفسیر ہے۔ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وہ جو اپنی خواہشات کو، اپنے نفس کو، اپنے طبعی میلانات کو اپنا معبود بنا بیٹھے وہ مجسم شیطان ہے اور اس کے لئے کوئی روشنی نہیں ہے۔ اس کی آنکھیں دیکھتے ہوئے بھی اندھی ہوں گی اس کے کان سنتے ہوئے بھی بہرے ہوں گے اس کا دل ان پیغامات کو آخری صورت میں ترتیب نہیں دے سکتا جس ترتیب کے ساتھ انسان کو خیالات سمجھ آتے ہیں اور حقائق کی پہچان ہوتی ہے، جس ترتیب کے ساتھ ایک پاک دل اپنی شنید کو اور اپنی بصر کے پیغامات کو مرتب کرتا ہے اور نتائج نکالتا ہے۔ پس واقعات تو وہی رہتے ہیں جو ہیں، اب ان کو کیسے سمجھنا ہے ان کے کیا نتائج نکالنے ہیں ان باتوں میں فرق ہے۔ اب دونوں باتیں درست تھیں جو خدا کے حکم کے بعد فرشتوں کی طرف سے بطور عذر پیش ہوئیں اور شیطان کی طرف سے بطور عذر پیش ہوئیں۔ اب یہ بھی ایک بہت دلچسپ حقیقت ہے کہ ایک کو روشنی کیوں قرار دیا دوسری کو اندھیرا کیوں قرار دیا۔ ایک روشنی کی راہ میں پردہ نہ بنی اور دوسرا عذر جو فی الواقعہ درست تھا روشنی کے سامنے پردہ بن گئی۔ ان دونوں کا اگر آپ تجزیہ کریں اور تفریق کریں تو پھر اس حکمت کی سمجھ آجاتی ہے پھر اسے اپنے روزمرّہ حالات پر آپ چسپاں کریں تو آپ کے لئے، اپنے لئے روزانہ صحیح فیصلے کرنا ممکن ہو جاتا ہے۔

فرشتوں نے جو کہا تھا کہ فساد کرے گا زمین میں اور خون خرابہ ہوگا یہ ضرور کہا لیکن ہوا بھی ایسا ہی۔ جب سے نبوت دنیا میں ظاہر ہوئی ہے نبوت کے انکار کے نتیجے میں فساد برپا ہوئے ہیں اور فساد برپا کرنے کی ذمہ داری ہمیشہ نبوت کے دشمنوں کے سر پر رہی۔ تو فرشتوں نے بات ٹھیک کی مگر نتیجہ ٹھیک اخذ نہیں کر سکے کیونکہ ان کو ان چیزوں کا علم نہیں تھا جو خدا تعالیٰ نے ابھی ان پر ظاہر نہیں فرمائی تھیں۔ اس لئے ان کے اندھیرے لاعلمی کے اندھیرے تھے انا کے اندھیرے نہیں تھے اور لاعلمی کے اندھیرے جب علم آتا ہے تو اندھیروں کو روشنی میں بدل دیتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو مضمون سکھایا اور سمجھایا کہ دیکھو اصل بات یہ ہے تو انہوں نے کہا پاک ہے تو ہمیں تو پتا ہی نہیں تھا، تو ہمیں یہ پہلے بتا دیتا تو ہم یہ بات ہی نہ کرتے۔ اب تو نے فرمایا تو بالکل ٹھیک ہے یہی مضمون ہونا چاہئے اور شیطان نے کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں۔ اب بہتر ہونے کا نتیجہ نکالنے کا اس کا کیا حق تھا

جب کہ حکم وہ دے رہا تھا جو اس سے بہتر تھا۔ جانتا ہے کہ حکم دینے والا مجھ سے بہتر ہے اور اس بات کو بھلا کر اپنے نفس کی خاطر دلیل کو نیچے سے شروع کر کے نیچے ہی ختم کر دیتا ہے کہتا ہے تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اس میں کون سا جھوٹ ہے آگ ہی سے پیدا کیا گیا ہے اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا یہ بھی بالکل سچ ہے اور اس کے باوجود خدا ناراض ہو جاتا ہے۔ ناراض اس لئے ہوتا ہے کہ اہلیت کو اصل مقام پر نہیں رکھا گیا بلکہ ایک ایسی ضمنی بحث میں مبتلا ہو گیا جس ضمنی بحث کا اس حکم سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ خدا بہتر ہے کہ نہیں، یہ بحث تھی۔ صاحب امر کون ہے۔ اگر انسان صاحب امر ہوتا اور خدا کہتا یہ صاحب امر ہے تو پھر دلیل اس کے خلاف قائم کی جا سکتی تھی یہ جو کمزور ہے نالائق ہے یہ مجھ پر کیسے حکومت کرے گا لیکن اگر خدا صاحب امر ہے تو پھر یہ بحث ہی بے کار اور بے معنی ہے اس کی مثال مذہبی تاریخ میں طالوت اور جالوت کی مثال ہے۔ جب قوم کے مطالبے پر اس وقت کے نبی نے طالوت کو نمائندہ بنایا اور ان پر بادشاہ مقرر کیا تو انہوں نے یہ اعتراض اٹھایا کہ نہ اس کے پاس دولت نہ علم ہم سے زیادہ۔ ان دونوں باتوں میں اور اس کے کیا اعتراض ہیں دو! بہر حال جو اس وقت میرے ذہن سے فوری طور پر دماغ منتقل ہو تو وہ مضمون پوری وضاحت سے سامنے نہیں رہتا، اعتراض وہ اٹھایا جو اس سے ملتا جلتا تھا کہ ہم بہتر ہیں اور طالوت ہمارے مقابل پر کوئی حیثیت نہیں رکھتا اس کو وہ مرتبہ حاصل نہیں اس کو وہ عزت حاصل نہیں جو ہمیں حاصل ہے تو مرتبہ اور عزت کا جو اعتراض ہے یہ وہی ہے جو شیطان نے اٹھایا تھا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس کو علم اور جسم میں ہم نے تم پر فضیلت بخشی ہے اور جس مقصد کے لئے ہم اس کو امارت بخش رہے ہیں اس مقصد کو پورا کرنے والی یہ دو چیزیں ہیں۔

پس اس پہلو سے مطالب کو نہ سمجھنے کے نتیجے میں اگر سوال اٹھتے ہیں، اگر انانیت کی وجہ سے نہیں اٹھتے تو وہ منع نہیں ہیں۔ اگر انانیت کی وجہ سے اٹھتے ہیں تو وہ گناہ بن جاتے ہیں اور اس کا فیصلہ اس وقت ہوتا ہے جب آزمائش کا موقع آتا ہے۔ پس اس موقع پر خدا تعالیٰ نے ساری قوم کو مردود نہیں قرار دیا جیسا کہ شیطان کو کہا کہ تو اب مردود ہو گیا ہے، تیری دلیل ہی جھوٹی اور گندی ہے۔ تو نے میرے خلاف بغاوت کی ہے اور بہانہ بنا رہا ہے کہ میں نے آدم کے خلاف بغاوت کی ہے کیونکہ میں نے اسے مقرر کیا تھا۔ اس کے ساتھ اس واقعہ کا موازنہ کریں خدا نے وہاں فیصلہ نہیں دیا خدا نے کہا

نہیں یہی بہتر ہے جو میں نے بنایا ہے لیکن بعد میں آزمائش ہوئی اور آزمائش اس طرح ہوئی کہ ایک دریا کو پار کرنے کے بعد مقابلہ ہونا تھا اور دشمن سے جو بہت بڑا اور طاقتور تھا۔ اس سے اس قوم کی لڑائی ایک ایسی سرزمین میں تھی جو دریا پار تھی اور وہاں سے گزرتے ہوئے ان لوگوں کو پیاس بہت لگی ہوئی تھی۔ اس پر خدا تعالیٰ کے حکم سے طالوت نے ان کو کہا کہ ایک دو گھونٹ یا ایک دو اوک یعنی چلو میں جتنا بھی پانی آتا ہے وہ پی لو تو اور بات ہے اس سے زیادہ کی اجازت نہیں ہے۔ اب ان کو یہ بھی حکمت سمجھ نہیں آئی۔ انہوں نے کہا نہیں یہ تو ہماری عقلیں مانتی نہیں۔ اکثر ان میں سے وہ تھے جنہوں نے پی لیا اور جو تھوڑے تھے وہ بچ گئے اس بات سے، اب لطف کی بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرنے والے وہ بھی تھے جو اس امتحان میں پورا اترے انہوں نے اپنی عقل کو استعمال کیا مگر فیصلہ خدا کا مانا اور وہ بھی تھے جو پہلے بھی اپنی عقل کو برتری دے رہے تھے، فضیلت دے رہے تھے بعد میں جب موقع پیش آیا تو اس امتحان میں اسی لئے ناکام رہے کہ اپنے عقلی فیصلے پر قائم رہے۔ اب یہ عجیب بات ہے کہ اس پانی میں ضرور کوئی زہر تھا یا کوئی تاثیر تھی ہو سکتا ہے گندہ پانی ہو جس کے نتیجے میں اسہال بھی لگ جاتے ہیں، پیچش بھی ہو جاتی ہے کئی قسم کے مخفی معاملات ہیں جن کا خدا کو علم ہے بندوں کو نہیں کئی ایسی بیماریاں لگ جائیں جس سے ہمت جواب دے جائے تو وہ جو بڑے لڑاکے بن کے نکلے تھے وہ کہتے تھے طالوت سے ہم زیادہ قابل ہیں ان سب نے یہ عذر رکھ کر لڑنے سے جواب دے دیا کہ دشمن بہت بڑا اور طاقتور ہے اور ہم تھوڑے ہیں اور جو تھوڑے تھے جو خدا والے تھے وہ اور بھی تھوڑے رہ گئے اگر وہ سارے بھی لڑتے تب بھی تھوڑے تھے مگر جو لڑے وہ اور بھی تھوڑے رہ گئے اور اس وقت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً (البقرہ:250) جس کا حکم ہے وہ کر کے دکھاتا ہے وہ طاقتور ہے۔ دیکھو کئی بار ایسا ہوا کہ تھوڑی سی معمولی جماعت نے ایک بڑی اور طاقتور جماعت کو شکست دے دی اور یہ ہمیشہ اس وقت ہوتا ہے جب امر الٰہی کو فوقیت دو اور اپنے نفس کو اس کے نیچے کر دو، اس کے بغیر نہیں۔ مذہبی قوموں میں بھی غلبے کی جان اس وقت تک رہتی ہے جب تک وہ اس حقیقت کو سمجھتے ہیں اور چمٹے رہتے ہیں۔ جہاں اس سے سرکنے لگتے ہیں وہیں ان کی موت کا آغاز شروع ہو جاتا ہے۔

بسا اوقات میں نے ایسے بعض لوگوں پر جو پرانے خدمت کرنے والے بھی تھے اس وجہ سے سختی

کی کہ انہوں نے امیر کے ایک حکم کو ٹالا اور اس کے مقابل پر ایک اڈہ بنایا اور یہ بحث شروع کی کہ ہم زیادہ صحیح کہہ رہے ہیں تم غلط کہہ رہے ہو اور بعض دفعہ ایسے لوگوں کے معاملے کو خطبوں میں بھی مجھے خوب کھولنا پڑا اور بتانا پڑا کہ یہ بہت ہی نا قابل برداشت حرکت ہے۔ کسی قیمت پر بھی میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ امیر مقرر ہو اور اس کی اطاعت سے تم بہانے بنا کر باہر نکلنے کی کوشش کرو۔ یہ بحث بے تعلق ہے کہ اس کی بات درست ہے کہ تمہاری بات درست ہے۔ اگر تمہیں اختلاف ہے تو ہر وقت اس کے خلاف اپیل کر سکتے ہو۔ آپس میں باتیں کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، آپس میں مشوروں کی کوئی اجازت نہیں۔

اگر خلیفہ وقت کا بنایا ہوا امیر ہے تو لازم ہے کہ اس امیر کے متعلق اگر کسی حکم سے اختلاف ہو تو بالا افسروں یا خلیفہ وقت کو مطلع کرو اور جب تک اوپر سے فیصلہ نہ آ جائے اس کی اطاعت کرو۔ یہ وہی پہلا سبق ہے جسے گزرے ہوئے چھ ہزار سال گزر گئے ہیں۔ اس چھ ہزار سال میں حضرت داؤدؑ کا زمانہ بھی گزر گیا، نبیوں کے بعد نبی آئے مگر بعض انسان ایسے جاہل ہیں کہ ہمیشہ اسی مقام پر ٹھوکر کھاتے ہیں جہاں سب سے پہلے شیطان نے کھائی تھی۔ یہ وہ اندھیرا ہے جو دیکھنے بوجھنے کے باوجود اور عَلٰى عِلۡمٍ ہے اور علم ہی کا اندھیرا ہے۔ ہمیشہ یہ سرکش لوگ کہتے ہیں ہمیں زیادہ علم ہے امیر تو بے وقوف آدمی ہے اس کی تو تعلیم ہی کوئی نہیں۔ ہم لوگ صاحب علم لوگ ہیں ہم جانتے ہیں۔ ہم دانشور ہیں یہ پاگل جیسا آدمی آپ نے بنا دیا امیر ہمارے اوپر، اس کو کیا پتا کہ معاملات کیا ہوتے ہیں اس لئے ہمارے پیچھے لگے گا تو ہم مانیں گے ورنہ نہیں اور وہی دلیل ہے جو شیطان نے دی تھی اور ردّ کر دی گئی اور کبھی بھی ان کا کچھ نہ بنا۔ ایسے لوگوں کو نہ دنیا میں کبھی کامیابی ہوئی نہ آخرت میں کبھی کامیابی ہو سکتی ہے اگر اس طرز عمل کو جماعت میں برداشت کر لیا جائے تو ساری جماعت ظلمات کا شکار ہو جائے گی اندھیروں میں مبتلا ہو جائے گی۔

جماعت کی طاقت کا راز اس اطاعت میں ہے جو فرشتوں نے دکھائی تھی۔ جانتے تھے کہ یہ وہ وجود آنے والا ہے جس کے نتیجے میں خوب خون خرابہ ہوگا اور اس کے نتیجے میں فسادات سے زمین بھر جائے گی۔ یہ نہیں جانتے تھے کہ کیوں بھرے گی یہ معاملہ بعد میں ان پر کھلا جب شیطان نے بغاوت کی اور خدا کو یہ چیلنج دیا کہ میں تیرے بندوں کو کھینچ کر اپنی طرف لے جاؤں گا اور اس طرح ان پر حملہ آور ہوں گا کہ ان کو کچھ دکھائی نہیں دے گا کہ میں کہاں سے آ رہا ہوں۔ ان کے دائیں سے بھی

حملہ کروں گا بائیں سے بھی حملہ کروں گا آگے سے بھی پیچھے سے بھی اوپر سے بھی نیچے سے بھی اور تو دیکھے گا کہ سارے یہ لوگ بکھر گئے اور تجھے چھوڑ کر میرے پیچھے لگ گئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تیری یہ بات بھی جاہلانہ ہے جیسے پہلی بات جاہلانہ تھی۔ جو میرا بندہ ہے اس پر تیرا کوئی اثر نہیں ہے۔ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اس لئے یہ خیال کہ انسان پیدا ہونے کے بعد خدا کا بندہ بن جاتا ہے یہ خیال ہی غلط ہے۔ کثرت سے لوگ پیدا ہو رہے ہیں، بندے وہی ہیں جو کَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ کے ہیں جن کے مقصد میں لکھ دیا گیا ہے کہ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً وہ تھوڑے ہونے کے باوجود ضرور غالب آئیں گے، ان میں غلبے کی طاقتیں بخشی گئی ہیں اور یہ بات امرِ الٰہی سے پیدا ہوتی ہے اس کے بغیر نہیں۔

پس سب سے بڑا اندھیرا نفس کا یہ اندھیرا ہے جو میں سمجھ رہا ہوں یہ اگر خدا کے منشاء سے ٹکراتا بھی ہو اور نظام جماعت سے مختلف فیصلہ بھی ہو تب بھی میں ٹھیک ہوں اور نظام جماعت غلط۔ اس اندھیرے نے ہمیشہ لوگوں کو ہلاک کیا اور کچھ عرصے کے بعد یہ ٹولے جو بڑے بڑے سر اٹھانے والے تھے، جتھے بنانے والے، سازشیں کرنے والے، ان کا نام ونشان باقی نہیں رہا۔ جس طرح دودھ سے مکھی کو نکال کے باہر پھینک دیا جاتا ہے خدا تعالیٰ نے ان کی برائیوں سمیت، ان کی انا سمیت، ان کے بڑے بڑے دعاوی سمیت ان کے ٹولوں سے جماعت کو صاف ستھرا کر کے نتھار لیا اور اب ان کا حال دیکھو کہاں پہنچے ہیں۔ کوئی ہے جو جماعت کے مقابل پر فتنے کے سر اٹھانے کے بعد اس سر کو اپنے وجود پر قائم رکھ سکا ہو۔ ان کی سرداریاں ہی ختم ہو گئیں۔ وہ سب سرداریاں جماعت کی برکت تھی، جماعت ہی کی وجہ سے عطا ہوئی تھیں اور ان ظالموں کو پتا نہیں لگا کہ ہم ہیں کیا، ہماری حیثیت کیا ہے۔ یہ جماعت کی برکت ہے جو ہمیں کچھ لوگ عزت سے خطاب کرتے ہیں اور ان عزتوں کو جماعت کے بعد ہم زندہ نہیں رکھ سکیں گے اور نہ کبھی رکھ سکے۔ تو عزتوں کا معاملہ ہے تو قَوْلُهُمْ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا (یونس:66) عزت خدا ہی کے ہاتھ میں ہے۔ انانیت سے کوئی عزت نصیب نہیں ہو سکتی۔

تو نفس کو ''ھویٰ'' بنانے کی ایک وجہ اور اول اور غالب وجہ انانیت ہے یا اپنے نفس کی عزت اور اسی کی ایک شکل تکبر ہے اور یہ عجیب بات ہے کہ تکبر بھی اور یہ انانیت بھی دراصل ہمیشہ احساس کمتری سے پیدا ہوتے ہیں اگرچہ نظر یہ آتے ہیں کہ یہ احساس برتری ہے۔ وہ شخص جو جانتا ہے کہ

اصل مالک خدا ہے اگر اس کے دل میں ایک خلش سی ہے کہ میرا پھر کیا ہے میرے پاس تو کچھ بھی نہیں وہ خدا کی اطاعت میں بھی مخلص نہیں ہے۔ وہ آزادی چاہتا ہے۔ اس وجہ سے جب بہانہ ملتا ہے تو خدا کو تو رد نہیں کر سکتا مگر اس کے بنائے ہوئے کو ردّ کر دیتا ہے۔ اس طرح اس کے نفس میں جو کمتری کا احساس تھا کہ اچھا سب کچھ اللہ ہی کے لئے ہے۔ یہ بات وہی ہے جیسے جنگ احد میں ظاہر ہوئی آنحضرت ﷺ نے جو فیصلے فرمائے ان پر عمل ہوا اور اس کے بعد منافقین نے یہ باتیں شروع کر دیں کہ گویا کہ سارے فیصلے انہی کے ہاتھ میں ہیں ہمارے پاس کیا رہا ہمارے پاس امر میں سے کچھ بھی نہیں رہا تو دیکھیں ہے وہی شیطان پرانا، امر کا مطالبہ کر رہا ہے، میرے ہاتھ میں امر ہونا چاہئے اور وہی قلت اور کثرت والی بات بھی پھر دوبارہ پیدا ہوتی ہے۔

پہلے ہی وہ صحابہؓ جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے یا وہ جمعیت جو آنحضور ﷺ کے ساتھ تھی تعداد میں تھوڑی تھی، دشمن ان سے بہت زیادہ تعداد میں بڑا اور طاقت میں بھی زیادہ تھا لیکن منافقوں کا ٹولہ یہ کہہ کر الگ ہو گیا کہ اگر ہماری بات مانی ہی نہیں جانی ہمارے مشوروں پر عمل ہی نہیں ہونا تو ہمیں کیا ضرورت ہے آپ کے ساتھ رہنے کی، ہماری آپ کی جدائی اور وہ لوگ چھوڑ کر الگ ہو گئے اور دیکھیں کس شان سے دوبارہ خدا کا یہ کلام ظاہر ہوتا ہے۔ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً تھوڑی تعداد نے بڑی کے چھکے چھڑا دیئے اور پھر جب خدا کے فرمان کی اطاعت میں کمزوری واقع ہوئی تو بھاگے ہوئے دوبارہ واپس آئے اور پھر غالب آنے لگے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی عزت رکھی اور انہیں بخش دیا اور پھر تھوڑوں کو بڑوں پر غلبہ عطا کر دیا۔ اس ادلنے بدلنے نے، اس زیر و بم نے ثابت کر دیا کہ خدا کا کلام ہی سچا کلام ہے اور اس میں کسی اتفاق کا کوئی دخل نہیں۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے غلاموں کو اس طرح ایک نشے میں مبتلا کر دیا گیا تھا جیسے بعض دفعہ بعض لوگ جھوٹے دعاوی کے ذریعے بھی ایک قربانی کا نشہ پیدا کر دیا کرتے ہیں۔

اس سے پہلے اسلامی تاریخ میں بھی ایسے واقعات ہو چکے ہیں۔ حسن بن صباح کا واقعہ ہے۔ اس نے بھی ایک مذہبی دیوانوں کی جماعت تیار کی تھی اس نے بھی یہ کوشش کی تھی کہ اس مذہبی دیوانگی کے برتے بڑی بڑی حکومتوں پہ غالب آ جائے۔ Assassins تیار کئے ان کو دھوکے دینے کے لئے کئی طریق اختیار کیئے گئے مگر کہاں گیا وہ۔ اس کی جماعت، وہ جو اس نے حکومت قائم کی تھی

تھوڑے ہی عرصے میں دیکھتے دیکھتے اس کا کوئی وجود باقی نہیں رہا۔عبرت کے لئے وہ تاریخ کی کتابوں میں تو ملتا ہے مگر حقیقت کے طور پر اس کی بنائی ہوئی جماعت کی کوئی حیثیت، کوئی وجود کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ پس بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ فرضی طور پر کسی کو ایک کہانی میں مبتلا کر دیا جائے خواہ وہ سچی نہ بھی ہو۔ بعض دفعہ کہانی کی دھن ہے جو انسان کے جسم و دماغ اس کے قویٰ پر قبضہ کر لیتی ہے فرضی باتوں کے نتیجے میں بھی انسان بڑی بڑی قربانیوں کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ مگر فرضی باتوں میں ہر ادلتے بدلتے حالات کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہوتی۔ وہ اونچ نیچ جو زمانے کے ہیں ان کے ساتھ ساتھ ان کی فرضی باتیں ہمیشہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی ہیں اور ان کا کبھی کچھ نہیں رہتا۔ پس فرضی باتوں نے فرضی جنون تو پیدا کئے ہیں مگر وقتی، عارضی طور پر کچھ عرصے کے لئے تماشہ دکھایا اور چلے گئے لیکن ایک دائمی تبدیلی پیدا کر دیں اور دائمی غلبہ پیدا کر دیں یہ ناممکن ہے، کبھی بھی ایسا نہیں ہوا اور پھر اللہ تعالیٰ نے ہر اس احتمال کو دور کر کے دکھا دیا کہ آنحضرت ﷺ کو غلبہ کسی انسانی تدبیر کے نتیجے میں ہوا۔ جنگ احد کا واقعہ اب جیسا کہ میں نے بتایا ہے، تھوڑے تھے اور بہت بڑی اور غالب جماعت جس میں بڑے بڑے چوٹی کے سپہ سالار تھے ان کے آناً فاناً چھکے چھڑا دیئے۔ جب پہاڑی پر نگران، جو رسول کریم ﷺ کے حکم سے ایک وفد یا کہنا چاہئے ایک جماعت کام کر رہی تھی غالباً تیس چالیس یا اس کے لگ بھگ ہوں گے، جتنی بھی وہ جماعت تھی انہوں نے اس درّہ کی حفاظت کا کام نہایت بہادری سے سرانجام دیا اور بڑے زبردست تیرانداز تھے اور دشمن جانتا تھا کہ ان کے ہوتے ہوئے اس درّہ سے ہم گزر کر مسلمانوں کے عقب سے حملہ نہیں کر سکتے اور جب وہ فتح نصیب ہوگئی اور وہ امر سے نکل گئے اور نیچے اتر آئے تو پھر دشمن نے دیکھا کہ وہ خلاء پیدا ہوا ہے اور وہ اس طرف سے حملہ آور ہوئے اور ایک دفعہ اس فتح کو شکست میں تبدیل کر دیا گیا۔ صاف ثابت ہوا کہ امر کے نتیجے ہی میں دراصل غلبہ تھا لیکن جب خدا نے فیصلہ کیا کہ پھر اس شکست کو فتح میں بدلا جائے تو ایک حیرت انگیز چیز ہے۔ انتہائی زخم خوردہ، انتہائی تھکاوٹ سے چور، بے سروسامان ایسے جن کے کثرت سے شہداء تھے جن کو سنبھالنا مشکل ہوا ہوا تھا کثرت سے زخمی تھے ان کو خدا نے فرمایا کہ تم عزم کرو اور ان کا پیچھا کرو اور آنحضرت ﷺ انہی زخمیوں کو لے کر اس غالب جماعت کے پیچھے چل پڑتے ہیں۔ دنیا کی تاریخ میں کبھی یہ واقعہ نہیں ہوا کہ قسمت سے جان بچی ہو اتفاق سے پھر انسان اس خطرے کے منہ

میں خود چھلانگ مارنے کے لئے لپکے اور پیروی کرے اور آوازیں دے کہ آؤ ہمیں ختم کرو ہم ابھی باقی ہیں اور حیرت انگیز رعب ہے جو ان کے دلوں پر چھا گیا، وہ واپس نہیں لوٹ سکے، حملہ نہیں کر سکے۔ جانتے تھے کہ یہی وہ ہیں جن کو کل ہم نے مار مار کر ان کی ساری طاقت کے پرخچے اڑا دیئے تھے۔ اب وہی زخمی، مارے ہوئے، کوٹے ہوئے جن میں کوئی نیا آدمی شامل نہیں، کچھ بھی کمک نہیں ہے، تعداد میں کم ہوئے ہوئے پہلے سے اور طاقت میں کم یعنی زخموں سے چور وہ پیچھا کر رہے ہیں اور بیٹھتے ہیں وہ ایک جگہ غور کرتے ہیں فیصلے ہوتے ہیں کہ کیوں نہ اب ان پر حملہ کر کے ان کو ختم کر دیا جائے لیکن توفیق نہیں ملتی۔

یہ خدا بتانا چاہتا ہے کہ میرے ہی امر کا کام ہے کہ وہ تمہیں طاقت بخشے۔ میرا ہی امر ہے جو تمہاری پشت پناہی کرتا ہے۔ میرا ہی امر ہے جو تمہیں دشمن کے غلبے سے بچاتا ہے اور تمہاری اقلیت کو بڑی بڑی طاقتوں پر غالب کر دیتا ہے۔ یہ ایک ایسا معمہ ہے جو آج تک مستشرقین حل نہیں کر سکے۔ سر ٹکراتے ہیں، ان کی وہ عبارتیں وہاں پڑھیں، شروع میں تو بڑے فخر کی عبارتیں ہیں کہ اس طرح پھر کافروں نے مار مار کے اڑا دیا مسلمانوں کو یہ حال ہوا رسول اللہ ﷺ کا یہ حال ہوا، فلاں کا یہ حال ہوا، درّہ میں پناہ لینی پڑی اور جب آگے چلتے ہیں تو پاؤں اکھڑ جاتے ہیں۔ عقل پہ لگتا ہے لرزہ طاری ہو گیا ہے۔ کئی ایک نے سوال اٹھایا کہ کیا ہو گیا تھا ان کو، بڑے بڑے دانشور بنے پھرتے تھے کیوں نہیں پلٹے اور ایک دفعہ صفایا کر دیا ہمیشہ کے لئے ہم اسلام سے نجات پا جاتے۔ وہ تھے کون؟ کیونکہ خدا کا امر تھا جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی پشت پناہی کر رہا تھا اس لئے آپؐ کی یعنی زندہ روحانی جماعتوں کی طاقت کا راز امر الٰہی میں مضمر ہے یہاں سے آپ ٹلے تو آپ کا کچھ بھی باقی نہیں رہے گا اور پھر سارے اندھیرے آپ کو گھیر لیں گے کیونکہ جب امر الٰہی سے واسطہ ٹوٹتا ہے تو ہزار قسم کے دوسرے امر سر اٹھاتے ہیں اور ایک کی غلامی سے نکل کر آپ کو اربوں کی غلامی اختیار کرنی پڑتی ہے لامتناہی خدا اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ نفس کا الٰہ بناتے ہی ایک الٰہ نہیں رہتا بلکہ ہر چیز معبود بن جاتی ہے۔ اس کو سیاست میں دیکھیں۔ اس کو تجارت اور اقتصادیات میں دیکھیں۔ اس کو معاشرتی امور میں دیکھیں۔ ہر پہلو سے ہمیشہ آپ کو تمام اندھیروں کی جڑ اس امر الٰہی سے انحراف میں نظر آئے گی۔ اس وقت جب اپنی خواہش کو معبود بنا لیں گے۔ یہ جتنی بے راہروی ہو رہی ہے، عورتوں پر ظلم ہو رہے ہیں، بچوں

پر ظلم ہور ہے ہیں، معصوم انسانوں کو شہوت کا شکار بنا کر اور ذبح کر دیا جاتا ہے چھوٹے چھوٹے بچوں کو اور اتنے دردناک واقعات ہوتے ہیں کہ انسان تصور بھی نہیں کر سکتا کہ کوئی قوم ذلت کی اس انتہاء کو پہنچ سکتی ہے جہاں کوئی جانور دنیا کا ایسی کمینگی نہیں دکھا سکتا جتنا انسان دکھاتا ہے۔ اس لئے کہ اس نے امر الٰہی میں آنکھ کھولی اور امر الٰہی سے انکار کر دیا۔ پھر **اسفل سافلین** اس کا مقدر ہو گیا اور خدا کی یہ بات ضرور پوری ہونی تھی کہ ہم نے تمہیں بڑے کاموں کے لئے بنایا تھا، مسلسل لامتناہی ترقی کے لئے پیدا کیا تھا اور یہ ایسا سفر ہے جو اندھیروں سے روشنی کی طرف سفر ہے اور نہ اندھیروں کی کوئی انتہا ہے، نہ روشنی کی کوئی انتہا ہے۔ اگر تم اس سفر پہ جاری نہ رہے تو تمہارا رخ واپسی کی طرف پلٹے گا۔ ہر اس اندھیرے میں واپس جاؤ گے جس سے نکل کر تم روشنی کی طرف آئے تھے۔

پس اب جو انسانی شہوات کی دنیا ہے قرآن کریم نے اس میں جو دوسری مثال دی ہے اس میں لہو و لعب کو پیش کیا ہے اندھیروں کی ایک شکل میں۔ اب لہو و لعب میں انسان کو جنسی خواہشات، اس کے عیش و عشرت کے سامان کی تمنا، اس کا دل بہلاوے کے سامان کرنا خواہ جنسی نہ بھی ہوں یہ ساری چیزیں اس دائرے میں آتی ہیں۔ جو لوگ اپنے نفس کو خدا بناتے ہیں ان کا خدا ان کو ان ساری چیزوں میں مبتلا رکھتا ہے اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے بے شمار ایسے احتمالات ہیں جو اس کے سامنے جگہ جگہ سے اٹھتے رہتے ہیں۔ وہ ہر احتمال گویا ایک فرضی بت ہے جو اس کے سامنے اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ ایک انسان کہتا ہے کہ میں اس معاملے میں اگر صحیح راہ اختیار کروں تو میرے ہاتھ میں ایک آئی ہوئی چیز ہے مگر مجھے حق نہیں ہے اس لئے کہ میرا معبود اور ہے اس نے اجازت نہیں دی میں اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔ یہ ایک خیال ہے جو اس کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ اس کے مقابل پر نفس کا شیطان اٹھ کھڑا ہوتا ہے کہ تم نے کس کو معبود بنا لیا ہے میں تمہارا معبود ہوں اس لئے جو ہاتھ میں ہے اسے استعمال کرو قطع نظر اس کے کہ خدا کیا چاہتا ہے۔ تو ایک خدا کو چھوڑ کر دوسرے خدا کے سامنے سر جھکانا پڑا اور یہ وہ خدا ہے جو ہمیشہ دھوکہ دیتا ہے اور اس کے امر کے نتیجے میں کبھی بھی فائدہ نصیب نہیں ہوا اور جب اس پیروی کے نتیجے میں انسان دکھوں میں مبتلا ہوتا ہے تو لوٹتا خدا ہی کی طرف ہے مدد کے لئے۔ اس وقت شیطان یعنی اس کے نفس کا شیطان کہتا ہے کہ میں نے تو تمہیں دھوکہ دیا تھا اس طرف چلانے کے لئے۔ اب میں ایک طرف اور تم ایک طرف اب میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا

اوراس وقت پھر خدا ہی کو پکارتا ہے تو دل کی گہرائیوں سے جانتا ہے کہ معبود اور ہے اوراس کے باوجود دیدہ دانستہ جھوٹے معبودوں کی پیروی کرتا ہے یہ ہے۔ عَلٰى عِلْمٍ حقیقت میں علم ہے یہ خدا نہیں ہے۔ حقیقت میں ہر نفس کا ضمیر اسے تنبیہ کرتا ہے اسے جگاتا ہے، اسے جھنجھوڑتا ہے کہ دیکھو یہ غلط رستہ ہے۔ تو ہر جگہ غلط خدا کو معبود بنا لینا یہ تو زندگی کو عذاب بنا دینے والی بات ہے اوراسی سے بنی نوع انسان کی زندگی آج کی دنیا میں جہنم بن گئی ہے اور بنتی چلی جارہی ہے۔

اب اس سے اگلا جو معاملہ ہے اس میں ہے زِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌ۔ اب زینت اور تفاخر کے لحاظ سے آپ دیکھیں کہ کس طرح ہماری روزمرہ کی زندگی میں زینت اور تفاخر نے کتنی بڑی تباہی پھیلا رکھی ہے۔ ہماری شادی بیاہ کے موقع پر، ہمارے تعلقات میں، ہم جب ایک دوسرے کو دعوتوں پر بلاتے ہیں، کسی کی ضروریات پوری کرنے کے بہانے اپنی انا کو دنیا پر ظاہر کرتے، اپنی انا کے دکھاوے کی خاطر بظاہر نیکی کے کام کرتے ہیں یہ زینت اور تفاخر ہے اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ اگر زینت اور تفاخر کو آپ نکال لیں تو اکثر شادی بیاہ ناکامی سے بچ سکتے ہیں اور وہی اندھا پن جو آدم کے وقت سے شروع ہوا ہوا ہے آج بھی جاری ہے یعنی دیکھ رہے ہیں، سن رہے ہیں لیکن اندھے ہیں اور بہرے بھی ہیں اور سوچنے کی طاقتوں سے محروم ہیں۔ یہ کیوں ہے؟ یہ وہی کہانی ہے جو شروع سے آخر تک چلتی ہے کیونکہ شیطان نے قیامت تک مہلت مانگی تھی اور قیامت تک یہی کہانی ہے جو آپ کے سامنے بار بار ظاہر ہوگی۔ پہچانیں تو سہی اس کو کہ ہو کیا رہا ہے۔

اب لوگ قرض اٹھا لیتے ہیں شادیوں کی خاطر یا اپنے دکھاوے کے لئے کوئی دعوتیں کررہے ہیں بڑی بڑی، مہمان نوازی میں غلو کررہے ہیں۔ جو بھی خرچ ہیں ان میں اگر نفس خدا ہے تو خرچ ایک تو بے محل ہوگا اور دوسرے ضرورت سے زیادہ ہوگا اور یہ جو ضرورت سے زیادہ کا شیطان ہے اسے خدا تعالیٰ نے شیطان ہی قرار دیا ہے اوراس کے نتیجے میں بہت بڑی تباہی ہوتی ہے، معاشرے کا سکون برباد ہوتا ہے اور انسانی رہن سہن پر ایک بہت بڑی تباہی وارد ہوتی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے اس مضمون کو یوں بیان فرمایا ہے۔ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا (بنی اسرائیل:27) کہ دیکھو جب خدا نے تمہیں خرچ کا حکم دیا ہے تو خدا کی خاطر خرچ کرنا ہے۔ اگر تم خرچ تو کرو مگر اپنی خاطر کرو تو پھر تم خدا کی عبادت نہیں

کر رہے کسی اور کی عبادت کرو گے۔ اللہ تعالیٰ تو تمہیں یہ فرماتا ہے کہ اٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ جو اقرباء ہیں ان کا حق ادا کرو۔ کتنے ہی ہیں جو امیر ہو گئے اور اقرباء کا حق بھول گئے اور اپنی دولتیں اکٹھی کرنے، اپنے دکھاوے میں مگن رہے، یہ نہیں دیکھا کہ فلاں قریبی، فلاں عزیز کس حال میں زندگی بسر کر رہا ہے۔ وَ الْمِسْكِيْنَ اور جو قریب نہیں بھی ہے ویسے مسکین ہے بے چارہ گرا پڑا اس کی ضرورتوں کا خیال کر کے جو خدا نے تمہیں زائد عطا فرمایا ہے اس میں اس کو شریک کرنے کی کوشش کرو۔ یہ تب ہو سکتا ہے اگر خدا معبود ہو۔ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ اور راستہ چلتے کا بھی خیال رکھو۔ اب دیکھیں خدا تعالیٰ نے انسانی برادری کو کتنی وسعت عطا فرما دی اور نفسانیت کے ہر پہلو کا ازالہ فرما دیا۔ اقرباء کے ساتھ تعلق بعض جگہ بہت ملتا ہے یعنی ہر جگہ ایک ہی بیماری نہیں ہے۔ بعض جگہ تو اقرباء سے تعلق تعصّبات کی شکل میں ڈھل جاتا ہے، اتنا زیادہ تعصب کہ غیر کے حقوق کا خیال ہی نہیں رہتا اور ٹولے بنائے جاتے ہیں جتھے بنائے جاتے ہیں کہ جی ہم اقرباء کے حقوق کا خیال رکھ رہے ہیں۔ قرآن کریم نے اس مضمون کو اتنا متوازن کر دیا ہے کہ ایک تعلق دوسرے کی راہ میں حائل ہو ہی نہیں سکتا۔ فرمایا اقرباء کا حق ادا کرنا ہے مگر مسکین کے حق کو پیش نظر رکھنا ہے۔ یہ نہیں کہ مسکین کا حق لے کے اقرباء کو دیدو اور وہ بے یار و مددگار لوگ ترستے رہ جائیں اور جو کچھ بھی ہے تمہارے اپنے ٹولے کے اندر ہی پھرتا رہے اور فرمایا مسکین بھی صرف وہ نہیں جو تمہاری آنکھوں کے سامنے مسکین ہے اور اس سے تمہارے دل میں ایک جذبہ پیدا ہوا ہے۔ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ مسافر کا کیا ہے آیا اور چلا گیا اور اس کے ساتھ کون سے رابطے ہونے ہیں۔ مسکین تو اگر مقامی ہے وہ ہمیشہ آپ کے احسان کو یاد رکھے گا۔ بسا اوقات جتنا احسان ہے اس سے بھی زیادہ مسکین شکریے کے جذبے سے مجبور ہو کر آپ کی خدمتیں کرتا ہے۔ اب ہمارے معاشرے میں یہ جو بے چارے نسبتاً غریب لوگ کمی کاری کہلاتے ہیں ان پر کون سا احسان زمیندار کرتے ہیں۔ یہی احسان کرتے ہیں نا کہ شادی کے موقع پر ہمارے آ کے برتن مانجھو، ہماری چارپائیاں درست کرو، ہمارے شامیانے لگاؤ اور خدمتیں کرو اور مٹھیاں چاپیاں کرو یہ احسان ہے اور بعد میں کچھ دے دیا اور دیا تو خیرات کے طور پر کہ دیکھو ہم کتنے سخی لوگ ہیں ہم تمہیں دے رہے ہیں۔ کام لینا بھی احسان اور محنت کا بدلہ دینا بھی احسان۔ ایسے ذلیل معاشرے میں خدا کہاں سے داخل ہو جائے گا۔ یہ جو معاشرہ ہے یہ مسکین سے اپنے نفس کی عبادت کرواتا ہے۔

اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ کا مضمون یہاں بھی کارفرما ہے۔مگر ابْنَ السَّبِيْلِ بھی ہے تو اس کا بھی خیال رکھو ہر مسافر کا تم پر حق ہے۔

لیکن یہ یاد رکھنا وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا کہ جتنی طاقت ہے اس سے آگے نہیں بڑھنا کیونکہ اگر تم نے طاقت سے بڑھ کر خرچ کیا تو خدا کی خاطر یہ خرچ نہیں ہوگا یہ نفس کی خاطر ہوا کرتا ہے۔ جو خدا کی خاطر خرچ کرتے ہیں وہ اپنی طاقت سے بڑھ کر نہیں کیا کرتے کیونکہ خدا تعالیٰ نے قانون بنایا ہے کہ جتنا میں تمہیں دیتا ہوں اس سے زیادہ میں مانگتا ہی نہیں۔ تو اگر خدا کا قانون یہ ہے کہ جتنا میں تمہیں دوں اس سے زیادہ میں مانگتا ہی نہیں تو آپ کون ہیں جو خدا کے دیئے ہوئے سے بڑھ کر اسے دینے کی کوشش کریں۔ اس لئے ہر وہ خرچ جو طاقت سے بڑھ کر ہے وہ شیطان کی راہ کا خرچ ہے اور وہ ثابت کر دیتا ہے کہ خدا کا یونہی نام تھا اصل میں نفس کی خاطر خرچ ہو رہا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے لَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا دیکھو حد سے زیادہ اسراف سے کام نہ لینا کہ کھلے خرچ کرتے پھرو، اس بہانے کہ خدا نے فرمایا ہے اقرباء کے لئے خرچ کرو مسکینوں کے لئے خرچ کرو مسافروں کے لئے خرچ کرو بعض لوگ سبیلیں لگوا دیتے ہیں اور کئی قسم کے ایسے کام کرتے ہیں۔ اگر یہ تمہاری توفیق سے بڑھ کر ہوا اور حد سے زیادہ ہوا اور توازن بگڑ گئے تو فرمایا اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا (بنی اسرائیل: 28) پھر تو شیطان کے دھوکے میں آ گئے اس کے چنگل میں پھنس گئے کیونکہ مبذر شیطان کا بھائی ہوتا ہے۔ اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ یعنی کئی قسم کے شیطانوں کا بھائی ہوتا ہے۔

اب دیکھنے والی بات یہ ہے کہ اسی آیت میں ایک جگہ شیطان فرمایا ہے ایک جگہ شیاطین فرمایا ہے۔ اس میں کیا حکمت ہے؟ وہ شیاطین اچانک ایک شیطان کیسے بن گئے کیونکہ فرماتا ہے اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا۔ مبذر یعنی اسراف کرنے والے، حد سے زیادہ بڑھنے والے یہ تو شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا تھا۔ تو دراصل شیطان کی تمثیل پر جو انسان پیدا ہوتے ہیں وہ ہمیشہ نفس کی خاطر خرچ کرنے والوں کو گھیر لیا کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ ہمیشہ خائب و خاسر رہتے ہیں، بدانجام کو پہنچتے ہیں۔ وہ جوان کے ماں باپ نے محنت سے کمائے تھے وہ سب چیزیں ضائع کر بیٹھتے ہیں تو ایک

شیطان نہیں کئی شیاطین لگ جاتے ہیں۔ ان کے ارد گرد جو ٹولہ ہے وہی ان کی بڑی تعریفیں کر رہا ہوتا ہے۔ کہتا ہے واہ جی واہ کوئی خرچ سیکھے تو آپ سے سیکھے۔ کیا بات ہے آپ نے تو مہمان نوازی کی حد ہی کر دی اور اس طرح آپ نے خرچ کیا اور بڑی شہرت ہوئی۔ آپ نے جو اپنی بیٹی کی شادی کی ہے بہت ہی مشہور ہوئی ہے کتنے لوگ باتیں کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں بلے بلے شادی ہو تو یوں ہو اور اس طرح پاگل بنا بنا کے ان کی جائیدادیں بکوا دیتے ہیں، ان پہ قرضے چڑھوا دیتے ہیں اور جب سب کچھ ہاتھ سے جاتا ہے تو آپ بھی ہاتھ سے چلے جاتے ہیں۔ پھر وہ اگر ان کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے تو دوسرے دروازے سے باہر نکل جائیں گے۔ یہ شیاطین ہیں۔

اور شیطان کی جہاں خصلت کی بات کی گئی ہے وہاں اکیلا شیطان استعمال فرمایا۔ ایک شیطان ہوں یا دو ہوں یا دس ہزار ہوں شیطان کی خصلت یہ ہے کہ اپنے رب کا ناشکرا ہوا کرتا ہے۔ اور کسی چیز کو محل پر نہ خرچ کرنا یہ بھی ناشکرا پن ہے۔ بے محل استعمال کرنا یا جتنی طاقت ہے اس سے بڑھ کر استعمال کرنا یہ بھی ناشکرا پن ہے۔ شیطان نے جتنی صلاحیتیں خدا نے اس کو دی تھیں ان کو بے محل استعمال کیا یہ اس کا ناشکرا پن تھا ورنہ صلاحیتیں بہت تھیں۔ تھا تو آگ سے پیدا ہوا ہوا لیکن یہ صلاحیتیں نہ ہوتیں تو ساری دنیا پر اپنے دھوکے کے ذریعے اتنا بڑا کنٹرول، اتنا عروج کیسے حاصل کر لیتا۔ اکثر خدا کے بندے جو اصل میں اس کے بندے نہیں تھے ان پر قبضہ کر بیٹھا ہے اور دنیا کو فساد سے بھر دیا ہے اور فرشتوں بے چاروں کا صرف اتنا قصور تھا کہ فساد سے شیطان نے بھرنا تھا، فرشتے سمجھ رہے تھے آدم بھرے گا۔ انہوں نے دنیا کو فساد سے بھرنا تھا جنہوں نے آدم کی اطاعت سے انکار کرنا تھا اور آدم نے تو دوبارہ اس حالت کو بدلنے کی ایک کوشش کرنی تھی۔ وہ جو منکرین ہیں جو ناشکرے ہیں انہیں واپس اقرار اور شکر کے مقام پر لا کے کھڑا کرنا تھا۔

تو یہ کہانی جو ازل سے چلی آرہی ہے ازل (ازل کا لفظ سہواً بولا گیا ہے غالباً **ابد** مراد ہے) تک اسی طرح جاری رہے گی۔ جب تک دنیا، زمین و آسمان قائم ہیں یہی کچھ ہم ہوتا دیکھتے آئے ہیں، یہی کچھ ہوتا رہے گا اور یہ اندھیرے علم کے اندھیرے ہیں اور روشنیوں کے اندھیرے ہیں۔ وہ شخص جو اسراف کر رہا ہے آنکھیں اس کی کھلی ہیں وہ دیکھ رہا ہے کہ کتنا مجھے مزہ آرہا ہے، کتنی میری شہرت ہو رہی ہے، کتنی میری ناموس بڑھ رہی ہے۔ کیوں اس کا مزہ آرہا ہے؟ نفس کی عبادت ہو رہی

ہے۔ وہ سمجھتا ہے یہ سارے میرے نفس کے سامنے سر جھکا رہے ہیں۔ تو وہ دراصل اپنی عبادت کا مزہ اٹھا رہا ہے اور جو اپنی عبادت کرواتا ہے اور اپنی عبادت کرتا ہے اس کے مقدر میں ہلاکت کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ بھی اس کی بہت سی شکلیں ہیں جو میں انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ خطبے میں آپ کے سامنے پیش کروں گا اور یہ بہت اہم مضمون ہے اندھیروں کی نوعیت کو سمجھنا اور ان کی نشاندہی کرنا۔ اگر آپ اندھیرے دیکھنے لگ جائیں تو روشنی کیوں نظر نہیں آئے گی آپ کو اندھیرے سمجھ آئیں گے تو پھر روشنی سمجھ آئے گی۔ ان سے بچ سکتے ہیں تو پھر روشنی کی طرف رخ کریں گے۔ پتا لگے گا کہ کون سے پردے پڑے ہوئے ہیں جو کانوں پر بھی ہیں، آنکھوں پہ بھی، دل کو بھی اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہیں۔ پھر آپ کو تدبیر سمجھ آئے گی کہ کیسے ان سے نجات حاصل کرنی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

یہ مضمون بظاہر باریک ہے مگر باریک نہیں بہت موٹا مضمون ہے۔ پہلی کہانی کے خدوخال ہی ہیں جو میں آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔ قرآن کریم اٹھالیں کہانی ہی آدم اور شیطان اور فرشتوں کی باتوں سے شروع ہوتی ہے لیکن عجیب کہانی ہے چند لفظوں میں بیان ہوئی اور ساری انسانی تاریخ کو ڈھانپ لیا اور ہمیشہ ہمیش کے لئے ساری انسانی تاریخ پر حاوی ہوگئی۔ یہ ہے وہ کہانی جس سے بہتر کبھی کوئی کہانی نہ بنائی گئی، نہ بنائی جاسکتی ہے اور حقائق پر مبنی کہانی ہے اپنے آپ کو دہرانے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم اس کی بظاہر جو باریکیاں ہیں ان کو ایسے دیکھیں جیسے آنکھوں کے سامنے کھڑی دکھائی دے رہی ہیں۔ آمین

اب اندھیرے بھی کئی قسم کے ہیں۔ نفس انسان کو بعض باتیں بھلا دیتا ہے اور اس کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے شیطان نے بھلا دیا۔ میں نے پہلے بھی بتایا تھا انبیاءؑ کو شیطان نہیں بھلایا کرتے وہاں شیطان سے مراد نفس کے اندر جو بشری کمزوریاں ہیں وہ مراد ہوتی ہے۔ آنحضرت ﷺ بھی بھولتے رہے۔ ثابت ہے قطعی طور پر۔ مگر کوئی شیطان نہیں تھا جو آپؐ پر غالب آ سکتا۔ آپ کے تو نفس کا شیطان بھی مسلمان ہو چکا تھا۔ اس لئے وہاں شیطان سے مراد صرف اتنی ہے کہ نفس کے اندر مخفی جو خدا تعالیٰ نے بعض کمزوریاں رکھی ہیں بھول چوک مثلاً، ایک بات پوری طرح نہ دیکھ سکے، بعض دفعہ غلطی سے لوگوں کے کہنے پر غلط فیصلے بھی ہو جاتے ہیں تو یہ سارے وہ شیطان ہیں جو گناہ

والے شیطان نہیں ہیں، یہ مجبوریوں کے شیطان ہیں۔

اس کی مثال یہ ہے کہ جب گزشتہ خطبے میں نماز جنازہ کے وقت میں نے یہ کہا تھا کہ ہماری آپا زبیدہ مرحومہ جن کی میں نے نماز جنازہ پڑھائی تھی یہ مرزا اظہر احمد صاحب ہمارے بھائی کی ساس ہیں تو یہ بھی ایک قسم کی ایک غلطی تھی۔ان کی ساس تو آپا حمیدہ ہوا کرتی تھیں۔ یہ دونوں بہنیں تھیں۔ اور مجھے پتا ہے لیکن چونکہ خطبے میں دماغ ایک خاص مضمون میں الجھا ہوا ہوتا ہے اچانک اس سے نکل کر دوسری طرف جا کر پوری طرح اس کو دیکھ لینا یہ بسا اوقات ممکن نہیں ہوتا۔تو خیالات کو ایک دم تبدیل کر کے دوسرے مضمون کو فوکس کر کے دیکھ لینا ایک طبعی مجبوری ہے کہ بعض دفعہ نہیں ہوتا۔تو مجھے اچھا بھلا پتا تھا آپا حمیدہ بہت شفقت کرنے والی تھیں اور ہمارے گھر تو ان کا بہت ہی آنا جانا تھا کیونکہ میری والدہ سے تعلق کی وجہ سے وہ بہت ہم سے پیار کرتی تھیں۔ان کی بیٹی ہیں ہماری قیصرہ بیگم جو میاں اظہر کی بیوی ہیں اور ان کے دو بھائی اور بھی ہیں شہزادا اور انیس،انیس تو کینیڈا میں ہے اور کرنل شہزاد پتا نہیں امریکہ میں ہیں یا کہاں ہیں۔مگر بہرحال یہ ساری اولاد ہی اللہ کے فضل سے جماعت سے گہرا تعلق رکھنے والی ہے۔آپا زبیدہ ان کی چھوٹی بہن تھیں جو بیگم سردار بشیر احمد صاحب مالیر کوٹلوی تھیں۔

اس خاندان کا تعارف میں نے پہلے اس غرض سے کروایا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو الہاماً ان کے بعض مراتب بتائے گئے اور فرمایا گیا کہ یہ بھی اپنے اخلاص میں اتنی غیر معمولی ترقی کر چکے ہیں کہ گویا اہلِ بیت میں سے ہیں اور ان کی دل جوئی کی جائے،ان کا خیال رکھا جائے۔تو ان کے جو دادا تھے محمد خان صاحب انہی کی خاطر چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود نرمی کے سلوک کا حکم دیا ہے اس لئے جہاں بھی موقع مل سکے ان کا ذکر خیر چلانا یہ بھی کار ثواب ہے۔

یہ عبد المجید خان دو ہیں۔ایک محمد خان صاحب کے بیٹے اور ایک عبد المجید خاں ویرووال والے۔عبد المجید خاں صاحب جو ویرووال والے ہیں یہ آپا طاہرہ صدیقہ کے والد اور اسی طرح نصیر خان صاحب مرحوم کے والد اور عبد المجید خان صاحب کے خسر بھی عبد المجید خاں تھے اور عبد المجید خان صاحب کے خسر جو عبد المجید خان تھے وہ محمد خان صاحب کے صاحبزادے تھے۔تو وہ پہلی بیوی تھیں یعنی عبد المجید خان صاحب ویرووال والے جن کو ربوہ کے تو اکثر لوگ جانتے ہیں باہر کے بھی جانتے ہیں پروفیسر نصیر خاں صاحب کے والد ان کی شادی محمد خاں صاحب کی پوتی سے ہوئی تھی اور

عبدالمجید خان صاحب کے خسر کا نام بھی عبدالمجید خان تھا۔ان کی صاحبزادی امتہ اللہ بیگم پروفیسر نصیر خاں صاحب کی والدہ تھیں۔اس لئے یہ اگر رشتہ کی صاف سمجھ نہ بھی آئی ہو تو میں نے چونکہ ذکر چھیڑا تھا میں ایک دفعہ کھول دوں۔

نصیر خاں صاحب بہت مشہور انسان ہیں پروفیسر کے طور پر علمی لحاظ سے بھی، شاعر کے لحاظ سے بھی، بحیثیت ایک نہایت اعلیٰ درجے کے انسان اور مجلسوں کی رونق ہونے کے لحاظ سے بھی۔کم انسان ہیں جو ایسے مزّین ہوتے ہیں جیسے پروفیسر نصیر خاں صاحب مرحوم تھے۔تو ان کے والد بزرگوار عبدالمجید خان صاحب ویرووال والے بھی بہت بڑے مرتبے کے بزرگ تھے اور ان کی جو والدہ تھیں اس طرف سے بھی بہت بڑا مرتبہ انہوں نے پایا کیونکہ وہ ان کی والدہ محمد خاں صاحب کی پوتی تھیں۔ان کی اور بھی اولاد ہے خدا کے فضل سے۔جن کو میں جانتا ہوں وہ تو بڑے مخلص ہیں دونوں خاندانوں کے۔جن کو میں نہیں جانتا وہ اس لئے نہیں جانتا کہ وہ غائب ہو گئے تو دعا کریں اللہ ان کو بھی غائب نہ رہنے دے۔آمین